تفسیر نور العرفان (قسط ۳۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

① مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب (۱۹۷۱ء) لکھتے ہیں:

''مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ قمیص ابراہیم علیہ السلام کی تھی، جو منتقل ہوتی ہوئی آپ (یعقوب علیہ السلام) تک پہنچی تھی۔''

(تفسیر نور العرفان، ص392)

ثابت نہیں ہو سکا۔

② مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اللہ کی عبادت برحق ہے، بتوں کی پوجا باطل ہے۔ یا امداد کے لیے اللہ کو پکارنا برحق ہے، مخلوق کو پکارنا باطل ہے۔ خیال رہے کہ مصیبت میں حاکم، حکیم، ولی کو پکارنا درحقیقت رب کو پکارنا ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص398)

غیر اللہ کی پکار شرک ہے۔ فوق الاسباب امداد کے لیے زندہ یا فوت شدہ کو پکارنا باطل ہے۔ حاکم، حکیم اور ولی کو پکارنا درحقیقت رب کو پکارنا ہو، تو جو لوگ غیر اللہ کی پکار کرتے ہیں، وہ بھی یہی دعویٰ رکھتے ہیں کہ حقیقت میں ہم رب کو پکار رہے ہیں۔

③ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاتے ہیں، کیونکہ آسمان ہمارے رزق کا اصل

خزانہ ہے، نہ اس لیے کہ آسمان میں رب رہتا ہے، وہ تو جگہ سے پاک ہے۔“
(تفسیر نور العرفان، ص399)

بے شک اللہ تعالیٰ جگہ کا محتاج نہیں۔ مگر وہ ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔ اس پر قرآن وحدیث اور امت کا اجماع دلیل ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جگہ سے پاک ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو کائنات میں داخل مانتے ہیں، نہ خارج۔ یہی جہمیہ کا عقیدہ ہے، یہ سراسر کفر ہے۔

❁ مفتی صاحب خود لکھتے ہیں:

”اس (اللہ تعالیٰ) کی صفات کا انکار، جیسے جہمیہ کا عقیدہ (ہے)۔“
(تفسیر نور العرفان، ص397)

علو باری تعالیٰ کی ایک دلیل فطرت ہے کہ مخلوق دُعا کے وقت ہاتھ اوپر کو بلند کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس سے مانگا جا رہا ہے، وہ اُوپر ہے۔

❁ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

رَأَيْنَا الْمُسْلِمِينَ جَمِيعًا يَّرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِذَا دَعَوْا نَحْوَ السَّمَاءَ لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مُسْتَوٍ عَلَى الْعَرْشِ الَّذِي هُوَ فَوْقَ السَّمَاوَاتِ، فَلَوْلَا أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْعَرْشِ لَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ نَحْوَ الْعَرْشِ كَمَا لَا يَحُطُّونَهَا إِذَا دَعَوْا إِلَى الْأَرْضِ، وَقَدْ قَالَ الْقَائِلُونَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَالْجَهْمِيَّةِ وَالْحَرُورِيَّةِ : إِنَّ مَعْنٰى قَوْلِ اللّٰهِ : ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ أَنَّهُ اسْتَوْلٰى وَمَلَكَ وَقَهَرَ وَأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فِي كُلِّ مَكَانٍ وَّجَحَدُوا

أَنْ يَّكُونَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مُسْتَوٍ عَلٰى عَرْشِهٖ كَمَا قَالَ أَهْلُ الْحَقِّ وَذَهَبُوا فِي الْإِسْتِوَاءِ إِلَى الْقُدْرَةِ، وَلَوْ كَانَ هٰذَا كَمَا ذَكَرُوهُ كَانَ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْعَرْشِ وَالْأَرْضِ السَّابِعَةِ لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَادِرٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، وَّالْأَرْضُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ قَادِرٌ عَلَيْهَا وَعَلَى الْحَشُوشِ وَعَلٰى كُلِّ مَا فِي الْعَالَمِ، فَلَوْ كَانَ اللّٰهُ مُسْتَوِيًا عَلَى الْعَرْشِ بِمَعْنَى الْإِسْتِيلَاءِ، وَهُوَ تَعَالىٰ عَلَى الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا لَكَانَ مُسْتَوِيًا عَلَى الْعَرْشِ وَعَلَى الْأَرْضِ وَعَلَى السَّمَاءِ وَعَلَى الْحَشُوشِ وَالْأَقْذَارِ لِأَنَّهٗ قَادِرٌ عَلَى الْأَشْيَاءِ مُسْتَوْلٍ عَلَيْهَا، وَإِذَا كَانَ قَادِرًا عَلَى الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَّقُولَ : إِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ مُسْتَوٍ عَلَى الْحَشُوشِ وَالْأَخْلِيَةِ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا لَّمْ يَجُزْ أَنْ يَّكُونَ الْإِسْتِوَاءُ عَلَى الْعَرْشِ الْإِسْتِيلَاءَ الَّذِي هُوَ عَامٌّ فِي الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا وَوَجَبَ أَنْ يَّكُونَ مَعْنَى الْإِسْتِوَاءِ يَخْتَصُّ بِالْعَرْشِ دُونَ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا، وَزَعَمَتِ الْجَهْمِيَّةُ وَالْحَرُورِيَّةُ وَالْجَهْمِيَّةُ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ فِي كُلِّ مَكَانٍ فَلَزِمَهُمْ أَنَّهٗ فِي بَطْنِ مَرْيَمَ وَفِي الْحَشُوشِ وَالْأَخْلِيَةِ، وَهٰذَا خِلَافُ الدِّينِ، تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ قَوْلِهِمْ عُلُوًّا كَبِيرًا .

”ہم نے سب مسلمانوں کو دیکھا ہے، وہ دُعا کرتے ہیں، تو آسمان کی طرف

اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں، کیونکہ اللہ عرش پر ہے، جو آسمانوں کے اوپر ہے۔ مسلمان اللہ سے دُعا کرتے ہوئے زمین کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے۔ اگر اللہ عرش پر نہ ہوتا، تو مسلمان اپنے ہاتھوں کو عرش کی طرف نہ اُٹھاتے۔ معتزلہ، جہمیہ اور حروریہ میں سے بعض کا کہنا ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا) کا معنی یہ ہے کہ اللہ عرش پر غالب ہوا اور اس پر اپنا تسلط قائم کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ ہر جگہ ہے۔ انہوں نے اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار کرتے ہوئے اہل حق کی مخالفت کی ہے اور استوا کو قدرت کے معنی میں لیا ہے۔ اگر بات ایسے ہی ہو، تو عرش اور ساتویں زمین میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین پر بھی قادر ہے اور نجاست کی جگہوں پر بھی اور کائنات کی ہر چیز پر۔ اگر اللہ کے عرش پر مستوی ہونے سے مراد غلبہ اور قدرت ہوتی، تو اللہ عرش کیا، زمین کیا، آسمان کیا، نجاست کے ڈھیر کیا، سب چیزوں پر مستوی ہوتا، کیونکہ وہ سب چیزوں پر قادر اور غالب ہے، حالانکہ کسی مسلمان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کو نجاستوں والی جگہوں اور بیوت الخلا پر مستوی قرار دے۔ اللہ ایسی باتوں سے بہت بلند ہے۔ چنانچہ عرش پر مستوی ہونے کا معنی وہ غلبہ نہیں، جو تمام اشیا پر بھی ہے۔ ضروری ہے کہ استوی کا معنی باقی چیزوں کے سوا عرش کے ساتھ خاص ہو۔ معتزلہ، حروریہ اور جہمیہ نے کہا ہے کہ اللہ ہر جگہ میں ہے۔ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ مریم علیہا السلام کے پیٹ میں بھی تھا، نجاست کی جگہوں میں بھی ہے، بیوت الخلا میں بھی ہے۔ یہ باتیں دین اسلام کے منافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے بہت بلند ہے۔''

(الإبانة عن أصول الدّيانة :1/106-108)

❁ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَزَلِ الْمُسْلِمُونَ فِي كُلِّ زَمَانٍ إِذَا هَمَّهُمْ أَمْرٌ وَّكَرَّبَهُمْ غَمٌّ يَّرْفَعُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَيْدِيَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ رَغْبَةً إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْكَفِّ عَنْهُمْ.

''ہر زمانے میں مسلمان کسی پریشانی اور غم میں مبتلا ہوتے وقت اپنے چہرے اور ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے رہے ہیں۔ وہ اس طرح غم اور پریشانی کو دُور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرتے تھے۔''

(التّمهيد لما في المؤطّأ من المَعاني والأسانيد : 81/22)

❁ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَصَفَ نَفْسَهٗ بِالْعُلُوِّ فِي السَّمَاءِ، وَوَصَفَهٗ بِذٰلِكَ مُحَمَّدٌ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَأَجْمَعَ عَلٰى ذٰلِكَ جَمِيعُ الْعُلَمَاءِ مِنَ الصَّحَابَةِ الْأَتْقِيَاءِ وَالْأَئِمَّةِ مِنَ الْفُقَهَاءِ، وَتَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ بِذٰلِكَ عَلٰى وَجْهٍ حَصَلَ بِهِ الْيَقِينُ، وَجَمَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ قُلُوبَ الْمُسْلِمِينَ، وَجَعَلَهٗ مَغْرُوزًا فِي طَبَاعِ الْخَلْقِ أَجْمَعِينَ، فَتَرَاهُمْ عِنْدَ نُزُولِ الْكَرْبِ بِهِمْ يَلْحَظُونَ السَّمَاءَ بِأَعْيُنِهِمْ، وَيَرْفَعُونَ نَحْوَهَا لِلدُّعَاءِ أَيْدِيَهُمْ، وَيَنْتَظِرُونَ مَجِيءَ الْفَرَجِ مِنْ رَّبِّهِمْ، وَيَنْطِقُونَ بِذٰلِكَ بِأَلْسِنَتِهِمْ، لَا يُنْكِرُ ذٰلِكَ إِلَّا مُبْتَدِعٌ غَالٍ فِي

بِدْعَتِهِ، أَمْ مَفْتُونَ بِتَقْلِيدِهِ وَاتِّبَاعِهِ عَلٰى ضَلَالَتِهِ .

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ آسمانوں پر بلند ہے۔ اسی طرح خاتم الانبیا محمد ﷺ نے بھی یہی بتایا ہے۔ اس پر اہل علم صحابہ کرام اور فقہا کا اجماع ہے۔ اس بابت اتنی احادیث بیان ہوئی ہیں کہ ان سے علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو جمع کر دیا ہے۔ اسے تمام مخلوقات کی فطرت کا حصہ بنا دیا ہے۔ دیکھئے! سب مصیبت کے وقت نظریں آسمان کی جانب جماتے ہیں اور دعا کے وقت اسی سمت ہاتھ بلند کرتے ہیں، اپنے رب کی طرف سے خوش حالی کا انتظار کرتے ہیں اور زبانوں سے یہی پکارتے ہیں۔ اس کا انکار وہی کر سکتا ہے، جو غالی بدعتی ہو یا ایسے شخص کی تقلید اور ضلالت پر پیروی کے فتنے کا شکار ہو چکا ہو۔''

(إثبات صفة العُلُوّ، ص 63)

ایک واقعہ:

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

أَخْبَرَنَا يَحْيَى بنُ أَبِي مَنْصُوْرٍ الفَقِيْهُ فِي كِتَابِهِ، عَنْ عبدِ القَادِرِ الْحَافِظِ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَلَاءِ الهَمَذَانِيُّ، أَخْبَرَنِي أَبُو جَعْفَرٍ الْحَافِظُ، سَمِعْتُ أَبَا الْمُعَالِي وَسُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ : ﴿اَلرَّحْمَن عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ فَقَالَ : كَانَ اللّٰهُ وَلَا عَرْشَ وَجَعَلَ يَتخبَّطُ، فَقُلْتُ : هَلْ عِنْدَكَ لِلضرُوْرَاتِ مِنْ حِيْلَةٍ؟ فَقَالَ : مَا مَعْنٰى هٰذِهِ الْإِشَارَةِ؟ قُلْتُ : مَا قَالَ عارِفٌ قَطُّ : يَا

رَبَّاهُ إِلَّا قَبْلَ أَنْ يَتَحَرَّكَ لِسَانَهُ، قَامَ مِنْ بَاطِنِهِ قَصْدٌ لَّا يَلْتَفِتُ يُمْنَةً وَّلَا يُسْرَةً يَّقصِدُ الْفَوْقَ فَهَلْ لِهٰذَا الْقَصْدِ الضُّرُوْرِيِّ عِنْدَكَ مِنْ حِيْلَةٍ؛ فَتُنْبِئَنَا نَتَخَلَّصُ مِنَ الْفَوْقِ وَالتَّحْتِ؟ وَبَكَيْتُ وَبَكَى الْخَلْقُ، فَضَرَبَ بِكُمِّهِ عَلَى السَّرِيْرِ، وَصَاحَ بِالْحَيْرَةِ، وَمَزَّقَ مَا كَانَ عَلَيْهِ، وَصَارَتْ قِيَامَةٌ فِي الْمَسْجِدِ، وَنَزَلَ يَقُوْلُ : يَا حَبِيْبِي الْحَيْرَةَ الْحَيْرَةَ، وَالدَّهْشَةَ الدَّهْشَةَ .

''ہمیں فقیہ یحییٰ بن ابی منصور نے اپنی کتاب میں بیان کیا، وہ عبدالقادر الحافظ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں ابولعلاء ہمذانی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابوجعفر الحافظ نے بیان کیا، ان کا کہنا تھا: میں نے ابوالمعالی کو سنا، ان سے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ (طٰہ : ۵) ''رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔'' کے بارے میں سوال ہوا، تو وہ کہنے لگا: اللہ تو اس وقت بھی تھا، جب عرش نہیں تھا۔ یوں وہ بے وقوفی کی باتیں کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا: کیا ضروریات طبعیہ کو مانے بغیر تیرے پاس کوئی چارہ ہے؟ کہنے لگا: اس سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: جب بھی کوئی شخص اللہ کو پکارتا ہے، تو زبان کی حرکت سے پہلے ہی دل سے ایک قصد اوپر کی طرف اٹھتا ہے۔ وہ دائیں بائیں کی طرف التفات نہیں کرتا۔ کیا اس لازمی قصد سے جان چھڑانے کا کوئی حیلہ آپ کے پاس ہے، جو اوپر، نیچے کے قصد سے ہماری گلوخلاصی کرا دے۔ میں رونے لگا اور لوگ بھی رونے لگے۔ ابوالمعالی نے اپنا چہرہ چارپائی پر رکھا اور حیرت کے مارے چیخنے اور اپنے کپڑے پھاڑنے لگا۔ مسجد میں تو گویا

قیامت برپا ہوگئی۔ ابو المعالی یہ کہتے ہوئے اُترا: اے میرے دوست! حیرت ہی حیرت ہے اور دہشت ہی دہشت ہے۔''

(سير أعلام النّبلاء : 477/18، العلو (مختصر)، ص 286، وسندهٗ حسنٌ)

❁ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) اس واقعے کو اللہ تعالیٰ کے علو پر فطرت کی دلیل بناتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَرَادَ الشَّيْخُ أَنَّ هٰذَا أَمْرٌ فَطَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ عِبَادَهٗ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّتَلَقَّوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ، يَجِدُونَ فِي قُلُوبِهِمْ طَلْبًا ضَرُورِيًّا يَّتَوَجَّه إِلَى اللّٰهِ وَيَطْلُبُهٗ فِي الْعُلُوِّ.

''شیخ کی مراد یہ ہے کہ یہ ایک فطری معاملہ ہے، جس پر اللہ نے بندوں کی جبلت بنائی ہے۔ اس چیز کو پیغمبروں سے سیکھے بغیر بھی لوگ اپنے دلوں میں ایک ضروری تڑپ محسوس کرتے ہیں، جو اللہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور بلندی میں اس کو تلاش کرتی ہے۔''

(شرح العقيدة الطّحاوية، ص 291، إثبات صفة العلوّ، ص 63)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

هٰكَذَا رَأَيْنَا فِي كُلِّ مَنْ يُّسْأَلُ : أَيْنَ اللّٰهُ؟ يُبَادِرُ بِفِطْرَتِهٖ وَيَقُولُ : فِي السَّمَاءِ.

''جس سے بھی پوچھا جائے کہ اللہ کہاں ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی فطرت کے مطابق یہی کہے گا کہ آسمانوں پر ہے۔''(العلوّ، ص 26)

❁ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِي أَقَرَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي فِطْرِ عِبَادِهٖ وَجَبَلَهُمْ عَلَيْهِ أَنَّ رَبَّهُمْ فَوْقَ سَمَاوَاتِهٖ .

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی فطرت میں یہ بات ودیعت کر دی ہے کہ ان کا ربّ آسمانوں سے اوپر ہے۔'' (الفتاوی الکبریٰ : 5/153)

④ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضور محبوب عالم اور اصل مخلوق ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص402)

نبی کریم ﷺ محبوب عالم ہیں، مگر اصل مخلوق نہیں۔ یہ نظریہ محض غلو پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مخلوق کی اصل نہیں بنایا۔

⑤ مفتی صاحب سورت الاعلیٰ (۱۱) کے تحت لکھتے ہیں:

''یہ آیت کریمہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مدح اور ایک منافق کی برائی میں نازل ہوئی، واقعہ یہ تھا کہ ایک انصاری نے اپنے پڑوسی کی شکایت بارگاہِ نبوی میں پیش کی کہ وہ میرا پڑوسی ہے، اس کے درخت کی ایک شاخ میرے گھر میں ہے۔ اگر اس شاخ کا پھل میرے گھر میں گر جاتا ہے، تو بہت سختی سے اُٹھا لیتا ہے۔ حضور نے اس کو بلا کر فرمایا کہ یہ درخت میرے ہاتھ فروخت کر دے، اس کے عوض تجھے جنت میں درخت دیا جائے گا۔ اس نے انکار کیا۔ حضرت عثمان غنی نے ایک باغ کے عوض وہ درخت خرید کر اس انصاری کو دے دیا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص969)

سند سے آگاہی نہیں ہو سکی۔

⑥ مفتی صاحب سورت فجر (۳۲) کے تحت لکھتے ہیں:

''رب کے آنے سے مراد اس کے احکام کا آنا ہے، کیونکہ رب آنے جانے سے پاک ہے۔ کیونکہ وہ مکان سے منزہ ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص970)

یہ قرآن کریم کی معنوی تحریف ہے اور جہمیہ کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔ ان کا نزول حقیقی حق ہے۔ اسی طرح روز قیامت بندوں کے فیصلے کے لیے آنا بھی ثابت ہے، جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾(الأنعام : ١٥٨)

''وہ صرف اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے (عذاب لے کر) آئیں یا تیرا رب یا تیرے رب کی کوئی نشانی آجائے۔''

❀ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تقرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً .

''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اسے پیش آتا ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، تو میں (بلحاظ علم) اس کے پاس ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے اپنے دل میں

یاد کرے، تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے محفل میں یاد کرے، تو میں اسے ایسی محفل میں یاد کرتا ہوں، جو ان سے بہتر ہے، اگر وہ ایک بالشت میرے قریب ہو، تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب ہو، تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چلتے ہوئے آئے، تو میں اس کی طرف دوڑتے ہوئے آتا ہوں۔''

(صحیح البخاري: 7405، صحیح مسلم: 2675)

❀ مجاہد رحمہ اللہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ (البقرۃ: ٢١٠) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

هُوَ غَيْرُ السَّحَابِ، وَلَمْ يَكُنْ إِلَّا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ فِي تِيهِهِمْ حِينَ تَاهُوا، وَهُوَ الَّذِي يَأْتِي اللّٰهُ فِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

''اس سے مراد بارش والے بادل نہیں ہیں۔ یہ بادل بنی اسرائیل کو دکھائے گئے، انہیں بادلوں میں اللہ تعالیٰ روز قیامت آئے گا۔''

(تفسیر ابن أبي حاتم: 372/2، تفسیر الطّبري: 4037، وسندهٗ صحیحٌ)

❀ مجاہد رحمہ اللہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ﴾ (الفرقان: ٢٥) ''اس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا۔'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِي فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ، يَأْتِي اللّٰهُ فِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَمْ يَكُنْ قَطُّ إِلَّا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ.

''ان سے مراد وہی بادل ہیں، جن میں روز قیامت اللہ تعالیٰ آئے گا، یہ (بادل) صرف بنی اسرائیل کو دکھائے گئے۔''

(تفسير الطّبري :14201، وسندهٗ صحيحٌ)

⑦ مفتی صاحب سورت بلد (۳) کے تحت لکھتے ہیں:

''یہاں والد سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور ولد سے مراد ان کی اولاد...... یا باپ سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اولاد سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

(تفسیر نور العرفان، ص971)

''ما'' نافیہ بھی ہوسکتا ہے اور موصولہ بھی۔ نافیہ ہو، تو معنی ہوگا: ''میں قسم کھاتا ہوں، جو پیدا ہو چکا اور اس کی جو ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔''

''ما'' موصولہ ہو، تو معنی ہوگا: ''قسم ہے والد اور اس کی اولاد کی۔''

یہ آیت کریمہ عام ہے۔

❁ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

اَلصَّوَابُ مِنَ الْقَوْلِ فِي ذٰلِكَ مَا قَالَهُ الَّذِي قَالُوا : إِنَّ اللّٰهَ أَقْسَمَ بِكُلِّ وَالِدٍ وَوَلَدِهٖ، لِأَنَّ اللّٰهَ عَمَّ كُلَّ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ، وَغَيْرُ جَائِزٍ أَنْ يَخُصَّ ذٰلِكَ إِلَّا بِحُجَّةٍ يَجِبُ التَّسْلِيمُ لَهَا مِنْ خَبَرٍ، أَوْ عَقْلٍ، وَلَا خَبَرَ بِخُصُوصِ ذٰلِكَ، وَلَا بُرْهَانَ يَجِبُ التَّسْلِيمُ لَهٗ بِخُصُوصِهٖ، فَهُوَ عَلٰى عُمُومِهٖ كَمَا عَمَّهٗ .

''اس آیت کی تفسیر میں درست قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر والد اور اس کی اولاد کی قسم اُٹھائی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والد اور اس کی اولاد کو عموم کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اسے بغیر کسی نقلی اور عقلی دلیل کے خاص کرنا جائز نہیں۔ اس کو خاص کرنے پر کوئی حدیث یا برہان نہیں ہے کہ جسے تسلیم کرنا واجب ہو، لہٰذا

جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے عام رکھا ہے، اسے عام ہی سمجھا جائے گا۔''

(تفسير الطّبري : 408/24)

⑧ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''مختلف تاروں میں مختلف رنگ ظاہر ہوتے ہیں، ایسے ہی حضور کا نور قادریوں، چشتیوں، سہروردیوں، نقش بندیوں کے سینوں میں مختلف قسم کی تجلی دے رہا ہے......۔''

(تفسیر نور العرفان، ص973)

یہ سب گمراہی کے راستے ہیں۔ اسلاف امت ان سے ناواقف تھے۔ وہ شریعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے تھے۔ شریعت دل اور جسم کی تطہیر و پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں۔ معتبر ذریعہ وہی ہے، جس پر اسلاف امت کاربند تھے، اس کے علاوہ باقی تمام راستے باطل ہیں۔

⑨ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''آدم علیہ السلام کا گندم کھالینا ابلیس کی تمام عبادات سے افضل ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص974)

آدم علیہ السلام سے گندم کھانا ثابت نہیں، البتہ شجرہ ممنوعہ کھانا ثابت ہے۔

⑩ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''مسجد نبوی کی زمین ابو بکر صدیق نے وقف کی، جس پر آج گنبد خضراء، جنت کی کیاری، منبر رسول وغیرہ واقع ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص974)

یہ واقدی کی جھوٹی روایت ہے۔ مسجد نبوی کی زمین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وقف کرنے

پر کوئی صحیح دلیل نہیں۔ گنبد خضراء اہل بدعت کی ایجاد ہے۔ شریعت اس کی حمایت نہیں کرتی۔

⑪ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''انسان جب بیٹھتا ہے، تو محمد بنتا ہے۔ سر میم، کندھا ''ح''، کم میم، زانو دال۔''

(تفسیر نور العرفان، ص978)

نبی کریم ﷺ کی اس انداز میں شان بیان کرنا الحاد ہے۔

⑫ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اس کے مرنے کے بعد اس کے کاتبین فرشتے اس کی قبر پر تا قیامت عبادت کرتے ہیں، جس کا ثواب اس صاحب قبر کو ملتا رہتا ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص978)

یہ روایت شعب الایمان للبیہقی (۹۴۶۲) وغیرہ میں آتی ہے۔ سند ضعیف ہے۔ عثمان بن مطر شیبانی ضعیف ومنکر الحدیث ہے۔ اس کی متابعت ہیثم بن جماز نے کی ہے، مگر وہ ضعیف ومتروک ہے۔

⑬ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''بزرگوں کے چلے اور چلوں میں ترک دنیا، ترک حیوانات برحق ہے، رب نے حضور کو قرآن اور موسیٰ کو تورات چلے کرا کر ہی دی۔''

(تفسیر نور العرفان، ص978)

چلہ کشی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں، یہ صوفیا کی اختراع ہے۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور ائمہ اسلام رحمہم اللہ کی زندگیوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ ـوَهُوَ التَّعَبُّدُـ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ.

”(نبوت سے پہلے) نبی کریم ﷺ غارِ حراء میں خلوت اختیار کر لیتے تھے اور وہاں کئی راتوں تک عبادت کرتے تھے۔“

(صحيح البخاري: 3، صحيح مسلم: 160)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْخَلَوَاتُ فَبَعْضُهُمْ يَحْتَجُّ فِيهَا بِتَحَنُّثِهِ بِغَارِ حِرَاءٍ قَبْلَ الْوَحْيِ وَهٰذَا خَطَأٌ؛ فَإِنَّ مَا فَعَلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ النُّبُوَّةِ إِنْ كَانَ قَدْ شَرَعَهُ بَعْدَ النُّبُوَّةِ فَنَحْنُ مَأْمُورُونَ بِاتِّبَاعِهِ فِيهِ وَإِلَّا فَلَا، وَهُوَ مِنْ حِينِ نَبَّأَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يَصْعَدْ بَعْدَ ذٰلِكَ إِلٰى غَارِ حِرَاءٍ وَلَا خُلَفَاؤُهُ الرَّاشِدُونَ.

”چلہ کشی پر بعض نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ نبی کریم ﷺ نزولِ وحی سے پہلے غار حراء میں عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ استدلال خطا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جو کچھ نبوت سے پہلے کیا ہے، اسے اگر نبوت ملنے کے بعد مشروع کیا ہے، تو ہم بھی اس کام میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کے مکلّف ہے، اگر نبوت کے بعد مشروع نہیں کیا، تو ہم وہ کام کرنے کے مکلّف نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ متنبہ کر دیا، تو اس کے بعد کبھی بھی (عبادت کے لیے) نبی کریم ﷺ یا خلفائے راشدین غار حراء پر نہیں چڑھے۔“

(مَجموع الفتاویٰ: 393/10)

⑭ مفتی صاحب سورت علق (۱) کے تحت لکھتے ہیں:

''ذکر اللہ کے لیے بزرگوں کی اجازت مفید ہے۔ بغیر اجازت ذکر اللہ میں خاص تاثیر نہیں پیدا ہوتی، دیکھو حضور پہلے سے ہی ذکر اللہ کرتے تھے، مگر الہام الٰہی اور اپنے جذبہ محبت سے آج رب نے اپنے ذکر کی اجازت صراحۃً دی۔''

(تفسیر نور العرفان، ص978)

ذکر الٰہی میں اجازت کی ضرورت نہیں۔ بھلا نبی کریم ﷺ کے بعد اس کے لیے اجازت کون دے گا؟ کیا آپ ﷺ کی اجازت کافی نہیں؟

⑮ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اے محبوب! تمہارے ذریعہ ہم ان ہی مکہ والوں میں سے جو ابھی کفر کی گندگی میں مبتلا ہیں، ایسے اعلیٰ درجہ کے ستھرے بندے بنائیں گے، جن سے شریعت وطریقت کے چشمے جاری ہوں گے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص979)

طریقت صوفیا کی گمراہ کن اصطلاحات ہیں۔ نبی کریم ﷺ شریعت کے تابع تھے اور اسی کی دعوت دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ، صحابہ، تابعین، اتباع تابعین اور ائمہ مسلمین طریقت جیسی گمراہ کن اصطلاحات سے ناآشنا تھے۔

⑯ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''خیال رہے کہ کفر سے توبہ غرغرہ سے پہلے تک ہو سکتی ہے، گناہوں پر توبہ غرغرہ پر بھی ہو جاتی ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص979)

توبہ کفر سے ہو، یا گناہوں سے، وہ غرغرہ سے پہلے پہلے ہو سکتی ہے۔ کفر اور گناہوں کا

فرق کرنا بے دلیل ہے۔

⑰ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اگر مقابر اولیاء اللہ پر ناجائز چیزیں ہوتی ہوں، تو وہ مقامات متبرک ہی رہیں گے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص979)

اولیاء کی قبریں متبرک مقامات نہیں ہیں، خواہ ان پر ناجائز چیزیں ہوں، یا نہ ہوں۔

⑱ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''جنگ بدر ختم ہونے پر حضرت عبداللہ بن مسعود ابوجہل کا سر کاٹ کر اس کی ناک کان میں سوراخ کر کے ان میں ناتھ و رسی ڈال کر پیشانی کے بال رسی میں باندھ کر مرے ہوئے کتے کی طرح گھسیٹتے ہوئے حضور کی بارگاہ میں لائے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص980)

باسند صحیح ثابت نہیں۔

⑲ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''سجدے بہت قسم کے ہیں؛......سجدہ دعا وغیرہ۔''

(تفسیر نور العرفان، ص980)

سجدہ دعا کا کوئی ثبوت نہیں۔

❀ فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں ہے:

أَمَّا إِذَا سَجَدَ بِغَيْرِ سَبَبٍ فَلَيْسَ بِقُرْبَةٍ وَّلَا مَكْرُوهٍ وَمَا يَفْعَلُ عَقِيبَ الصَّلَوَاتِ مَكْرُوهٌ؛ لِأَنَّ الْجُهَّالُ يَعْتَقِدُونَهَا سُنَّةً أَوْ وَاجِبَةً وَكُلُّ مُبَاحٍ يُؤَدِّي إِلَيْهِ فَمَكْرُوهٌ، هٰكَذَا فِي الزَّاهِدِيِّ.

''جب کوئی شخص بغیر کسی سبب کے سجدہ کرے، تو یہ نہ تو ثواب ہے، نہ مکروہ۔ البتہ نمازوں کے بعد جو سجدہ کیا جاتا ہے، یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ جاہل لوگ اسے سنت یا واجب سمجھتے ہیں۔ ہر وہ مباح حکم، جس کی وجہ سے کسی عمل کو سنت یا واجب سمجھا جانے لگے، وہ مکروہ ہے۔ زاہدی میں اسی طرح لکھا ہے۔''

(فتاویٰ عالمگیری:1/136، درِمختار، ص105، شامی:2/120، حاشیة الطّحطاوي، ص 500)

⑳ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''روح محمدی اعلیٰ علیین میں جلوہ گر ہے، وہاں سے ہی سارے عالم کا مشاہدہ فرمارہی ہے، مگر متبرک اوقات خصوصاً شب قدر میں زمین پر رونق افروز ہو کر تمام دنیا کے حالات دیکھتے ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص980)

بے دلیل ہے۔ روحیں دنیا سے لاتعلق اور بے خبر ہوتی ہیں۔ نیز روحوں کے دنیا میں واپس آنے پر کوئی دلیل نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے متعلق یہ نظریہ ائمہ مسلمین میں سے کسی کا نہیں۔

㉑ مفتی صاحب سورت بینہ (۲) کے تحت لکھتے ہیں:

''رسول کی تنوین تعظیمی ہے، یعنی شاندار رسول، جو ہمیشہ سے رسول ہیں، حضرت آدم آب وگل میں تھے کہ وہ نبی تھے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص981)

یہ کفریہ نظریہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی۔ اس سے پہلے آپ نبی نہ تھے، البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نبی ہونا تقدیر میں لکھ دیا تھا، جبکہ آدم علیہ السلام کی ابھی تخلیق نہ ہوئی تھی۔

㉒ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اس لیے قبر میں ان (نبی کریم ﷺ) کی پہچان کرائی جاتی ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص981)

نبی کریم ﷺ قبر میں میت کے پاس حاضر نہیں ہوتے، اس معنی پر دلالت کرنے والی کوئی صحیح حدیث ذخیرہ حدیث میں موجود نہیں، صحیح تو کیا ضعیف بھی نہیں ہے۔ سلف صالحین میں اس کا کوئی قائل نہیں رہا، لہٰذا یہ بدعی نظریہ ہے۔

❁ قبر میں میت سے تین سوالات پوچھے جاتے ہیں، ایک یہ ہے:

مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ ......؟

''اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال تھا؟''

(صحيح البخاري : 1374)

یہاں سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ لفظ ''ہذا'' اشارہ قریب کے لیے آتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ قبر میں ہر میت کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ استدلال واضح خطا ہے، لغت عرب میں بیسیوں ایسی مثالیں موجود ہیں، جہاں ''ہذا'' اشارہ بعید کے لئے استعمال ہوا ہے۔

قبر میں سوال کے وقت ہذا بعید ہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، خود نبی ﷺ حاضر نہیں ہوتے۔

❁ میت سے پوچھا جاتا ہے:

مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ، فَيَقُولُ : أَشْهَدُ أَنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهٗ .

''اس شخص یعنی محمد ﷺ کے بارے میں آپ کا عقیدہ کیا تھا؟ مؤمن کہتا ہے

کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔''

(صحيح البخاري : 1374)

اس حدیث میں هٰذَا الرَّجُلِ کی وضاحت **محمد ﷺ** کہہ کر کی گئی ہے، اگر آپ ﷺ وہاں حاضر ہوتے ہیں، تو پھر اس وضاحت کی کیا ضرورت؟

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

يُقَالُ : مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ : مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، جَاءَ نَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَصَدَّقْنَاهُ.

''قبر میں کہا جائے گا: وہ شخص کون تھا، جو تم میں مبعوث ہوا؟ مؤمن کہے گا: وہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے، جو ہمارے پاس اللہ عزوجل کی طرف سے واضح آیات لے کر آئے تھے، ہم نے ان کی تصدیق کی تھی۔۔۔''

(مسند الإمام أحمد : 140/6، وسندهٗ صحيحٌ)

''ہٰذا'' حقیقت میں حاضر قریب کے لیے آتا ہے، مجازاً غیر حاضر کے لیے مستعمل ہو، تو قرینہ ضروری ہے، تو اس حدیث میں واضح اور صریح قرینہ موجود ہے کہ نبی ﷺ کے متعلق قبر میں میت سے صرف پوچھا جاتا ہے، آپ قبر میں دکھائی نہیں دیتے ہیں۔

❁ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میت سے کہا جاتا ہے:

مَاذَا تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ، يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

قَالَ : مَنْ؟.

''اس شخص، یعنی نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟، کافر وفاسق کہتا ہے: کون؟''(مسند الإمام أحمد : 352/6، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ اسی روایت کے الفاظ ہیں کہ میت سے کہا جاتا ہے:

مَاذَا تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ قَالَ : أَيُّ رَجُلٍ؟ قَالَ : مُحَمَّدٌ .

''اس شخص کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا تھا؟ وہ کہتا ہے: کون شخص؟ فرشتہ کہتا ہے : محمد ﷺ۔''

(مسند الإمام أحمد : 353/6، المعجم الكبير للطّبراني : 125/24، وسندهٗ صحيحٌ)

ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ قبر میں سوال کے وقت حاضر نہیں ہوتے ہیں، ورنہ مَنْ اور أَيُّ رَجُلٍ کا کیا معنی؟

㉓ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''زمین کا زلزلہ کبھی کسی چیز کی عظمت کے اظہار کے لیے ہوتا ہے، جیسے حضور کی ولادت پر کسری کے محل میں زلزلہ۔ کبھی رحمت کے لیے، جیسے حضور کے سفر شام کے موقع پر بحیرہ راہب کے عبادت خانوں میں زلزلہ۔''

(تفسیر نور العرفان، ص981)

ثابت نہیں۔

㉔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''علی مرتضی نے حضور کو مقام صہباء میں اپنے زانو پر سلایا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص982)

ثابت نہیں۔ اس بارے مروی تمام روایات ضعیف ہیں۔

۲۵ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''زیارت قبور یا اپنی موت یاد کرنے کے لیے، یا فاتحہ خوانی کے لیے، یا صاحب قبر سے فیض حاصل کرنے کے لیے، حصول فیض کے لیے سفر کرنا بھی درست ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص982)

زیارت قبور مشروع ہے۔ اس کا مقصد تذکیر آخرت ہے اور فوت شدگان کے لیے دعائے رحمت و مغفرت ہے۔ قبروں پر فاتحہ پڑھنے کا کوئی جواز نہیں۔ قبرستان میں قرآن پڑھنا ممنوع ہے۔ قبروں سے فیض حاصل نہیں ہوتا، ورنہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو تمام انبیا کی قبروں کے بارے میں علم دیتے۔ نبی کریم ﷺ کی قبر کے علاوہ کسی نبی کی قبر کا علم نہیں۔ صحابہ کرام حصول فیض کے لیے کبھی آپ ﷺ کی قبر پر نہیں گئے۔

۲۶ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارے حضور نے آخری سانسوں میں اپنی امت کو نماز اور غلاموں سے اچھے برتاوے کی وصیتیں فرمائیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص984)

یہ روایت سنن ابن ماجہ (۱۶۲۵) وغیرہ میں آتی ہے۔ اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔

۲۷۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اس (ابولہب) کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں حضور کی صاحبزادیاں رقیہ اور (ام) کلثوم تھیں، اس سورت (لہب) کے نزول کے بعد ابولہب نے ان صاحبزادیوں کو طلاق دلوادی۔''

(تفسیر نور العرفان، ص987)

ثابت نہیں۔

۲۸۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''آیات قرآنیہ بیماروں پر پڑھ کر گنڈے بنانا، ان میں گرہیں لگانا جائز ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص987)

قرآن آیات پڑھ کر دم کرنا مشروع و مستحب ہے۔ گنڈھے بنانا اور گرہیں لگانا جائز نہیں۔

۲۹۔ مفتی صاحب سورت یوسف (۵۳) کے تحت لکھتے ہیں:

''یوسف علیہ السلام نے بطور انکسار بارگاہ الٰہی میں عرض کیا، بادشاہ مصر کے قاصد سے فرمایا کہ میرا پاکدامن رہنا، زلیخا کی طرف التفات نہ کرنا اپنا کمال نہیں، میرے رب کا فضل ہے......۔''

(تفسیر نور العرفان، ص385)

جمہور مفسرین کے ہاں یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے، نہ کہ یوسف علیہ السلام کا۔

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

هٰذَا الْقَوْلُ هُوَ الْأَشْهَرُ وَالْأَلْيَقُ وَالْأَنْسَبُ بِسِيَاقِ الْقِصَّةِ وَمَعَانِي الْكَلَامِ، وَقَدْ حَكَاهُ الْمَاوَرْدِيُّ فِي تَفْسِيرِهٖ، وَانْتَدَبَ لِنَصْرِهٖ الْإِمَامُ الْعَلَّامَةُ أَبُو الْعَبَّاسِ ابْنُ تَيمِيَّة، رَحِمَهُ اللّٰهُ، فَأَفْرَدَهٗ بِتَصْنِيفٍ عَلٰى حِدَةٍ.

''یہی قول زیادہ مشہور ہے، قصے کا سیاق اور بلاغت بھی اسی کے موافق ہے۔ علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے اسے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ امام، علامہ، ابو العباس، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (مجموع الفتاویٰ: ۱۰/ ۲۹۸) نے اس قول کی خوب حمایت کی ہے اور اس بارے میں مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر : 395/4)

الغرائب الملتقطۃ لابن حجر (۱۶۴۵) میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منسوب مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ قول سیدنا یوسف علیہ السلام کا ہے، لیکن یہ روایت ضعیف ومنکر ہے۔ اس میں مؤمل بن اسماعیل ''کثیر الخطا'' ہے۔ یہ بھی اس کی خطا ہے۔ حماد بن سلمہ کے شاگردوں میں سے صرف مؤمل نے یہ روایت مرفوعا ذکر کی ہے۔ باقی سب نے موقوف یا مقطوع بیان کی ہے۔ حماد بن سلمہ مختلط ہیں، ان کا یہ روایت قبل از اختلاط بیان کرنا ثابت نہیں ہو سکا۔ اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب قول بھی ثابت نہیں ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ کا قول بھی ضعیف ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀